Aseer Be Taqseer

اسیرِ بے تقصیر

کشمیر کی کہانی، ایک "جن" کی زبانی

مِن تصنیف

ماہرِ نفسیات حاجی چراغ بیگ

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
بعضے بعضے باز خواں ایں دفترِ پارینہ را

شائع کردہ
حاجی چراغ بیگ پبلیکیشنز اجموں و کشمیر
(قیمت فی کاپی تیس پیسے)

گھن کا کیڑا زندہ باد

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

[ترجمہ۔ معشوق کی باتیں اشاروں میں بتانا زیادہ اچھا رہتا ہے]

کشمیر کو آزادی کا سب سے پہلا تحفہ لاکھوں پناہ گزینوں کی شکل میں ملا۔ ان پناہ گزینوں میں ہزاروں بیمار تھے۔ اور زخمی بھی۔ ایک بیمار بدحواسی میں کچھ عربی، کچھ لاطینی اور کچھ انگریزی بول رہا تھا۔ تینوں زبانیں بیمار کے لئے اجنبی ہیں۔ تینوں زبانوں میں سے کوئی بھی زبان نہ بیمار نے پڑھی نہ سیکھی ہے۔ بیمار کا نام بالو ہے۔ ہندی کو سرکاری زبان بنانے کے لئے بالو کے ساتھ ہندی کی اضافت لگا کر بالوجی بنا دیا گیا ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ بیمار کو بخار سے ہذیان ہو گیا ہے۔ مگر تھرمومیٹر ان کی تردید کرتا ہے۔ درجہ حرارت ۹۶ ڈگری سے زیادہ نہیں۔ جو معمول سے بھی کم ہے۔ حکیم کہتا ہے کہ قبضی ہو گئی ہے۔ قبض کھولنے کے لئے "مغز پولیس" کا جوشاندہ پلایا گیا۔ جوشاندہ دیکھ کر تو بیمار کے رشتہ داروں کو جلاب لگ گئے۔ مگر بیمار کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ڈنگر کو دیکھتا ہے تو تب ہی ہو [illegible] بھاگ گئیں ڈنگروں [illegible]

گھاس میں جھوٹے لگتا ہے۔ کبھی خیال آتا ہے کہ میں چمگادڑ ہوں اور ٹانگیں اُوپر بالوں میں پھنسا کر لٹک جاتا ہے۔ جو پھولداری کی چھت میں لگا ہے۔ جب کبھی سنیاسی بتاتے کہ مرگی کا عارضہ ہے تب ہی منہ سے رال ٹپکتی ہے اور دانت ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر نے جب منہ کھولنے کے لئے کہا تو مریض نے وہ زبان کھولی کہ ڈاکٹر کے ہوش اُڑ گئے۔ عجیب و غریب زبان دیکھ کر ڈاکٹر نے کہا۔ "جو انتڑیاں تم نے اپنے گلے میں ڈال رکھی ہیں۔ علم الابدان یعنی اناٹومی کے کے لحاظ سے تمہارے پیٹ کے اندر ہونی چاہئیں۔ اجازت ہو تو میں ان کو مناسب جگہ ڈال دوں گا اور اس کے لئے کوئی فیس نہیں لوں گا۔" حکیم صاحب نے خون نکالنے کی تجویز کر دی تو بیمار نے حکیم صاحب کا خون دانتوں سے نکالا۔

مشرق اور مغرب میں عورت کو ہمیشہ جسمانی اور دماغی لحاظ سے مردوں کے مقابلہ میں کم درجے پر رکھا گیا ہے۔ مگر گورے اور کالے ہم سب کو آخر عورت ذات نے ہی جنم دیا ہے۔ خاندان کی تمام عورتوں کی متفقہ رائے یہی رہی کہ باورچی کو آسیب ہو گیا ہے۔ یعنی اس کے اندر جن داخل ہو گیا ہے۔ اس لئے اپنے بیوی بچے بھی باورچی سے ڈرتے اور دُور رہتے ہیں۔ مگر تمام عورتوں کی یہی رائے ہے کہ جن نہ تو کسی ڈاکٹر کے ڈاکٹرین انجکشن اندر ڈالنے سے باہر آ سکتا ہے نہ [illegible] "مغرب زدہ لیس" بابا [illegible] سے

خارج ہوسکتا ہے۔ دولتِ مشترکہ سیلون، بھارت اور اسرائیل کے
حالیہ تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ دنیا کی مشکل گتھیاں صرف
عورت ذات کی نرم و نازک انگلیوں سے ہی سلجھ سکتی ہیں۔ ملک
بوس گرانی۔ کمر توڑ غریبی اور خوراک کے مسئلے ہی دیکھئے۔ سوشلزم
کے ناخن سے اندرا جی نے چٹکی بجاتے حل کر دئے۔ اور ملک کو فاقہ
کشی، افلاس، عام لوٹ کھسوٹ، رشوت ستانی کے گھٹاٹوپ
اندھیرے سے نکال کر فراوانی، دولت، عدل و انصاف کی فلاحی
سرکار میں تبدیل کر دیا۔ قطع نظر اس حقیقت سے کہ حضرتِ حوّا
کے مشورہ سے پہلا قدم اٹھانے پر ہی حضرتِ آدم کو جنّت
سے اسی طرح نکال دیا گیا تھا۔ جس طرح ہند سرکار کے جمہوری دور
میں شیخ صاحب اور بیگ صاحب جیسے سیاسی حریفوں کو
ناپسندیدہ PERSON NON GRATA قرار دے کر
جنّت نظیر کشمیر سے باہر سراندیپ کی طرف نکال دیا
جاتا ہے۔ ان کا بس یہی جرم ہے کہ کشمیریوں کے
حقِ خود ارادیت سے دست بردار نہیں ہوتے ہیں۔ یہی
ان کی مقبولیت کا راز بھی ہے :۔

پدرم روضہ رضواں بہ دو گندم بفروخت
ناخلف باشم اگر من بہ جوے نہ فروشم

[ترجمہ: میرے باپ (آدم) نے گندم کے دو دانوں کے بدلے جنت کو ہاتھ
سے دے ڈالا۔ اگر میں ایک جَو کے بدلے بیچ نہ ڈالوں تو آدم کا بیٹا کیسے]

نہلا دہلا ———— ؟] حافظ شیرازی

آخر عورتوں کی غالب رائے سے بیمار کے علاج کے لئے ایک بزرگ پیر صاحب کو بلایا گیا جو مُفتی شکم دین کے نام سے مشہور ہیں۔ مفتی صاحب کو جوں ہی دیکھا بانوجی نے کھڑے ہوکر آداب بجالائے۔ پیر صاحب کے لئے اپنی چادر بچھائی اور اِسی طرح تقریر شروع فرمائی :-

"حضرات! عوامی سرکار کے اقبال سے ابھی لاکھوں پرائے پناہ گزین مسٹر صاحبان کی عالی شان کوٹھیوں کے دروازوں پر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ ہند پاک سدا بہار دشمنی کی بدولت ہر نئی سرحدی جھڑپ کے بعد پناہ گزینوں میں لاکھوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ جن کو سر چھپانے کے لئے ٹوٹی ہوئی قبر بھی میسّر نہیں :

کتنا بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین مل نہ سکی کوئے یار میں

اس پر ستم یہ کہ خوراک کی گرانی اور نایابی کی وجہ سے والدین کی نیند بھی حرام ہو گئی ہے۔ جب سے فیملی پلاننگ کے فاید سے جانتے ہوئے بھی آبادی میں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ ہماری چھولداریاں آبادی کے دباؤ سے ہر طرف سے پھٹی ہوئی ہیں۔ اسی تمہید کے ساتھ میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اتنے بڑے پیر صاحب

میری اس جھونپڑی کے اندر جو میری سرکار کے دل سے بھی زیادہ تنگ ہے کیسے تشریف لائے ہیں ــ؟"

وڈیرہ شکم دین:- جن اور انسان سب جانتے ہیں کہ میرا نام الحاج مفتی شکم دین ہے۔ حکمران کانگریس کا حلقہ پریذیڈنٹ بھی ہوں۔ اور "آبادکاری" کا افسر اعلیٰ۔ قانون اصلاح اراضیات کا علمبردار ہوتے ہوئے سینکڑوں کنال سرکاری اور غیر سرکاری زمین قبضے میں لا کر اپنے باغات میں تبدیل کر دئے۔ ٹرانسپورٹ کی بے شمار گاڑیوں کا مالک ہوں۔ ڈپٹی منسٹر۔ منسٹر اور پھر چیف منسٹر بننے کا ارادہ رکھتا ہوں پیر مریدی، جس کا کام اور لاکھوں کی ٹھیکیداری بھی چلتی ہے۔ مرکزی سرکار میں وزیر بننے کا ارادہ بھی رکھتا ہوں میرا کام ان مکانوں اور انسانوں کو خالی کرانا ہے۔ جن پر کسی بھی پرمٹ یا جنہوں نے جابرانہ قبضہ جمایا ہو۔ جس طرح سے کسٹوڈین ادارہ مہاجرین کے مکانوں سے پناہ گزینوں کو نکال دیتا ہے تاکہ شہر میں منسٹر صاحبان، اسمبلی ممبران۔ قومی کارکنوں اور ان کے عزیزوں رشتہ داروں کے لئے ایسے برائے نام کرایہ پر جگہ نکالی جائے۔ جو کرایہ کبھی ادا نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر پناہ گزین یا بیٹی یا بیوی کی زچگی کی وجہ سے مکان خالی کرنے میں دیر کرے تو کسٹوڈین صاحب اپنے ہاتھوں سے زچہ اور بچہ دونوں کو ٹانگ سے پکڑ کر باہر پھینک دیتا ہے۔ ان الفاظ

ہیں اپنا تعارف کرانے کے بعد میں توقع رکھتا ہوں کہ تم نے بالوجی کے اندر کرایہ مقرر کرنے کے بغیر بلا اجازت داخل ہو کر جو ناجائز قبضہ اس پر کر لیا ہے وہ قبضہ فوراً اٹھاؤ اور اس غریب کو بالکل خالی کر دو تاکہ میں نذر و نیاز حاصل کر کے رہی سہی کسر پوری کر دوں۔ اگر تمہارے کچھ عذرات ہیں تو بیان کرو۔ مگر یاد رکھو کہ لاکھ عذرات پیش کرنے کے بعد بھی تم کو نکلنا پڑ گیا جس طرح چیخ و پکار کے بعد بھی پناہ گزینوں کو نکلنا پڑتا ہے۔ عذرات سننے سے ۔

منظور ہے تعداد مریدوں کی بڑھانا

ہماری جمہوریت میں ہر ایک شخص کو تحریر اور تقریر کی پوری آزادی حاصل ہے۔ لیکن سوشلسٹ نظام میں ضروری نہیں کہ ہر ایک شخص کو روزی ملے۔

مفتی صاحب کا حکم سننے کے بعد "جن" نے اپنی کہانی بالوجی کی زبانی اس طرح سنائی۔ "انگریز کے زمانے میں کچھ تعلیم یافتہ بے روزگار لوگوں نے بلیک مارکیٹ کے شوق میں بلیک میل کی ایک تحریک شروع کر رکھی تھی جس کا نام تحریک آزادی ہند رکھا۔ حکمران انگریز ہمیشہ سے ہی کھیل تماشے کا شوق رکھتا ہے۔ ایک روز پنڈت نہرو کے دوست لارڈ ماؤنٹ بیٹن آخری وائسرائے ہند کو بڑا تماشہ دیکھنے کا خیال آیا۔ اور برصغیر ہندوستان کو پنڈت جی سے پوچھ پوچھ کر اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے آزاد کر دیا کہ آزادی کا نام سنتے ہی بھارت ماتا کے سپوت ہندو، مسلمان اور سکھ سب پاگل ہو گئے۔ اور ننگے ہو کر ایک دوسرے پر

ٹوٹ پڑے۔ عورت، مرد، بچے، بوڑھے، بیمار اور تندرست لاکھوں انسانوں کو اس طرح بیدردی کے ساتھ قتل و غارت کر دیا کہ جنگلی درندے بھی شرما گئے۔ اکثر بھیڑیوں نے انسان کے بچوں کو اپنی بھٹ میں اپنے بچوں کے ساتھ، اپنا دودھ پلا کر پالا ہے۔ مگر برصغیر کے ہندو مسلمان اور سکھوں نے ایک دوسرے کے بچوں کے سر نیزوں پر چڑھا کر ڈانس کیا کتا ہرگز کتیا کو نہیں کاٹتا ہے خواہ وہ کتیا کسی دوسری نسل یا رنگ ہی کی کیوں نہ ہو۔ مگر برصغیر کے سورماؤں نے آزادی پانے کے ساتھ ہی ماں۔ بہنوں اور بیٹیوں کو ننگا کر کے ان کی وہ چھاتیاں چھریوں، تلواروں، درانتیوں اور دانتوں سے کاٹ ڈالیں، جن چھاتیوں کا دودھ ان دین و دھرم کے ٹھیکیداروں نے پی کر پرورش پائی تھی۔

"جن" نے کہا "آزادی کے ڈر سے کروڑوں انسان گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ امیر لوگ موٹروں، گاڑیوں، کشتیوں، اونٹوں، گھوڑوں اور گدھوں پر سوار ہو کر بھاگ گئے۔ مگر عام خلقِ خدا پیدل ہی چل پڑی۔ ماں کے پاؤں دن رات چلتے چلتے جب چھلنی ہو گئے تو بے چاری دودھ پیتے بچے کو کسی جھاڑی کے نیچے چھوڑ کر خالی پیٹ دوڑتی رہی۔ چھوٹا بچہ جب باپ کے برابر چل نہ سکا تو باپ نے پھسلا کر اپنے معصوم بچے کا ساتھ چھڑا لیا۔ آزادی کا یہ ہولناک نقشہ دیکھ کر "جن" بھی گھبرا گئے۔

"جن" نے کہا "علاقہ پونچھ تحصیل باغ کا صدر مقام قصبہ باغ کے نام سے مشہور ہے۔ پہاڑی علاقہ کا یہ ایک خوب صورت پہاڑی

قصبہ ہے۔ جہاں سے وزیرستان کا علاقہ جانب شمال و مغرب سامنے نظر آتا ہے۔ صدیوں سے دونوں علاقوں کے آپس میں رشتے ناطے چلے آتے ہیں۔ صدیوں سے اِدھر کی لڑکیاں اُدھر اور اُدھر کی لڑکیاں اِدھر بیاہی چلی آتی ہیں۔ اِس علاقے میں ہندو مسلمان اور سکھ آپس میں مل جل کر امن و آشتی کے ساتھ رہتے سہتے تھے۔ سکھ اور ہندو لڑکیاں مسلمان بزرگوں کو چاچا تایا کر کے پکارتی تھیں۔ مسلمان لڑکے ہندو اور سکھ لڑکیوں کو بہن جی کر کے بُلاتے تھے۔ شادی غمی میں ایک دوسرے کے شریک رہا کرتے تھے۔ ہندو مسلمان اور سکھ ایک دوسرے کی لڑکی کے خاوند کو اپنا داماد سمجھتے تھے۔ اور ایسا ہی برتاؤ کرتے تھے اکثر لوگ انگریز کی فوج میں نوکری کرتے تھے۔ اور سب لوگ حکومت برطانیہ کے گیت گاتے تھے۔ آزادی کی وبا اِس پہاڑی علاقہ میں بھی پھوٹ پڑی تو ریاستی فوج نے مسلمانوں کے گھر بار لوٹنے کے بعد جلا ڈالے۔ باپ اور بھائیوں کو رسیوں سے باندھ کر ان کی آنکھوں کے سامنے سینکڑوں کنواری لڑکیوں کی عصمت لوٹی گئی۔ ہزاروں مسلمان بے گھر ہو گئے تو سکھوں اور ہندوؤں نے ان کو اپنے گھروں میں جگہ دیدی۔ وزیرستان کے قبائلی رشتہ داروں اور عزیزوں کی حفاظت کے لئے آئے۔ ریاستی فوج نے شکست کھائی۔ مہاراجہ رات کے وقت سری نگر سے بھاگ نکلا۔ جموں سے فوجی امداد کے لئے دہلی درخواست بھیجدی۔ دہلی سے فوجی امداد کے بدلے الحاق کا مطالبہ ہوا۔ مہاراجہ نے عارضی الحاق کے لئے دستی درخواست

بھیجدی۔ اور خود لیٹ گیا۔ جب وی۔پی مینن سکریٹری فار انڈین سٹیٹس عارضی الحاق اور فوجی امداد کی منظوری لے کر جموں پہنچا تو مہاراجہ کے سکریٹری اور باڈی گارڈ نے اظہارِ مسرّت کے ساتھ اِس بات کا انکشاف کیا کہ مہاراجہ نے سو جانے سے پہلے اس کو ھدایت کر دی تھی کہ فوجی امداد کی اگر منظوری نہ آئے تو اس کو (یعنی مہاراجہ کو) نیند کی حالت میں شوٗٹ کر دیا جائے۔ مہاراجہ نے اِس غرض کے لئے اپنے سرہانے کے ساتھ لوڈڈ ریوالور رکھا تھا۔

جن نے کہا۔" جوں جوں اِنسان کی آبادی بڑھتی جاتی ہے باقی مخلوق ریچھ، شیر، بارہ سنگا وغیرہ کم ہوتے جاتے ہیں جنگل بیابان نیست و نابود ہوتے جا رہے ہیں۔ انسان کی آبادی بڑھ جانے سے جنّوں کی آبادی بھی گھٹتے گھٹتے اب بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ جنّ اپنی جان بچانے کے لئے اِنسان کی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ اِنسان کی چھوت چھات سے جنّوں میں بھی قسمیں اور ذاتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ہمارا خاندان "شیخ" کہلاتا تھا۔ چاچے، تائے، لڑکے لڑکیاں، پوتے پڑپوتے ایک بھاری کُنبہ، قصبہ باغ کے قبرستان کے قریب صدیوں سے ایک پل کے نیچے رہتے چلے آ رہے تھے۔ کبھی کوئی اِنسان اپنے ہی وہم میں گرفتار ہو جاتا تو ہم نذر نیاز بھی لیتے تھے۔ اِنسان خواہ مخواہ ہمارے نام سے ڈرتا تھا۔

جن نے کہا۔" آزادی ملنے پر کروڑوں اِنسانوں کے گھر بار چلائے

گئے۔ ہر طرف خون، آگ اور دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا ہمارا خاندان بھی بھاگ نکلا۔ باپ، بیٹے، بہن بھائی کی کوئی سُدھ بُدھ نہ رہی۔ سینکڑوں میل دوڑنے کے بعد جب چلنے کی ہمت نہ رہی تو میں بالو جی کے سر پر سوار ہوگیا۔ جیسے ہی سر پر بھوت سوار ہوا۔ دونوں کا فایدہ ہوگیا۔ بالو جی کی رفتار خلائی جہاز سے بھی تیز ہوگئی۔ ہمارے علاقہ میں دوڑنے میں بالو جی بہت مشہور تھا۔ اسی لئے اس کو بارہ سنگھ بھی کہتے تھے۔ بھارت بلیڈ کے ڈر سے کبھی حجامت نہیں بنائی۔ جوان ہو کر داڑھی مونچھ نے اس کے مُنہ کو بالکل ڈھانپ لیا۔ بولنے کا بہت شوق رکھتا تھا۔ بہت ہنستا تھا۔ گاتا تھا۔ مگر پھر بھی بالو جی کا منہ نظر نہیں آتا تھا۔ ریڈیو کی طرح پتہ نہیں چلتا تھا کہ کدھر سے بول رہا ہے۔ بچے اس کو حیرانی کے ساتھ دیکھتے رہتے تھے۔ اور کبھی شوخی میں پُوچھ بھی لیتے تھے کہ چاچا بالو جی تو کدھر سے بولتا ہے؟ اس پر بالو کو بہت غصہ آتا تھا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے داڑھی اور مونچھ اِدھر اُدھر ہٹا کر اپنا مُنہ دکھانے کی کوشش کرتے ہوئے سخت استفہامیہ گالیاں سُناتا تھا........؟ اس وقت بھی دیکھئے میں بالو جی کے اندر سے بولتا جا رہا ہوں مگر کوئی نہیں بتا سکتا کہ میں کدھر سے بولتا ہوں۔

جن نے کہا: "لاکھوں انسان بھاگ رہے تھے۔ میں کسی ایک کے اندر داخل ہو کر پیدل چلنے کی زحمت سے نجات پاسکتا تھا۔ مگر گھنے بالوں کی وجہ سے ہی میں نے سواری کے

لئے بالوجی کو پسند کیا۔ یہ بھی خیال رہا کہ اس کی رفاقت سے جن سنگ اور راشٹریہ سویم سنگ کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ نکلوں گا۔

دام ہم رنگ زمین بود گرفتار شدم

تحریک آزادی کے دوران بالوجی ہمارے علاقہ میں سکولرازم کی رہنمائی کرتا تھا، اور بڑا بدھی مان کہلاتا تھا۔ ممی جان مجھ کو بہت سمجھاتی تھی کہ ان کی جھوٹی سکولر باتوں پر نہ جاؤ۔ یہ تیاگی بُدھ سنگھ اور شری شام لال صراف وزارت کے دروازے سے باہر ایک قدم بھی تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔ اور تم کو اسی راستے "امرناتھ" پہنچا دیں گے۔ پھر نہ چھوڑو گے۔ مگر میں نہ سمجھا۔ ہائے مجھے راستہ بتلانے والی ممی جان کدھر گئی ——؟ ممی جان کہتی تھی کہ کروڑوں انسانوں کو اچھوت بنانے والوں کا کیا بھروسہ۔ ان کے سکولر دعوی خالی باتیں ہیں۔ اگر یہ واقعی سکولر ہوتے تو ہندوستان تقسیم ہی کیوں ہوتا۔ ہاں کبھی ہم بھی اپنی گلی میں شیر ہوا کرتے تھے۔ "شیر کشمیر" کہلاتے تھے۔ انقلاب زندہ باد کے نعرے لگاتے پھرتے تھے۔ اب دم لینے کے لئے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر کوئی راستہ نہیں ملتا۔ بالوجی کو دن رات کھرچنے کے بغیر کوئی کام نہیں۔ نیند میں بھی کھرچتا ہی رہتا ہے۔ جب سے اس نے اپنے ساتھ ہی میری کھال بھی اُتار دی ہے، رات دن کے عذاب سے نجات پانے

کے لئے میں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ مُنہ کی طرف سے باہر آنے
کی کوشش کرتا ہوں تو اتنا سیاہ جنگل کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا
دوسری سمت کا کچھ نہ پوچھئے۔ سخت دشوار گذار گھاٹیاں ہیں۔
خطرناک زیر زمینی۔ اس طرف "جن" تو کیا خالی خیال بھی نہیں
گذر سکتا ہے۔ رستم کے ہفت خوان کی طرح اِس راستے پر خطرناک
درندے پہرہ دے رہے ہیں۔ بین الاقوامی سیز فائر لائن ہونے
کے باوجود دِن رات فائرنگ ہوتی رہتی ہے۔ فضول سر ٹکرا کر
واپس آجاتا ہوں۔ میرا یہاں اسی طرح دم گھٹ رہا ہے جس
طرح کشمیر کا کلچر کشمیر کی صنعت، کشمیر کی تجارت، قدرتی اور قدیم
جہلم ویلی روڈ بند ہونے سے سِسک سِسک کر اور دم گھٹ کر مر رہی
ہے۔ ناکردہ گناہ مائیں، اپنے بیٹوں سے، بہن بھائی سے اور بیوی
اپنے خاوند سے جیتے جی ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گئے ہیں۔ اسرائیل میں
بھی غریبوں کے ساتھ ایسا ظلم نہیں ہوا ہے۔ وہاں ہمسایہ عرب دن
بھر کی سیر و سیاحت اور میل ملاقات کے لئے اسرائیل میں جاکر
شام کو گھر واپس آجاتے ہیں۔ ایسے زائروں کی تعداد سال بھر میں
لاکھوں سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ کشمیر کی حالت بالکل میری طرح
ہے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

جن نے کہا۔ "مفتی صاحب آپ ہی باہر آنے کا کوئی راستہ
بتائیے۔ تو میں اسی طرح آپ کی [illegible] بدل کر لوں جس طرح
ہمارے قدیم آباؤ اجداد نے بنی اسرائیل کے مشہور بادشاہ حضرت

سلیمان کی غلامی اختیار کرلی تھی۔ کشمیریوں کی طرح ہماری قوم جن اور دیو ایسی فرمان بردار، طاقتور اور "بے غیرت" قوم ہے کہ حضرت سلیمان کے مرنے کے بعد بھی صدیوں تک اُس کی ممی یعنی بے جان قالب کی غلامی کرتے رہے جس کو ایک لاٹھی کے سہارے کھڑا رکھا گیا تھا۔ آخر ہماری نامرد بے غیرت قوم کی حالت زار پر ایک گھن کے کیڑے کو رحم آیا۔ اور اُس نے لاٹھی کو اندر سے چاٹ چاٹ کر ایک دن اچانک حضرت سُلیمان کی بوسیدہ لاش کو مُنہ کے بل گرا کر چورہ بنا دیا۔ وہی گھُن کا کیڑا دُنیا کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا لیڈر ہے جس نے جنوں اور دیوؤں کی خوفناک قوم کو دائمی غلامی سے آزادی دلائی۔ زبور۔ توراۃ۔ انجیل اور قرآن چاروں آسمانی کتابیں اس پر گواہ ہیں۔ وہ ہماری دُنیا کے مزدوروں کو آزادی دلانے والا لینن نہیں تھا۔ نہ وہ کوئی شیر ببر یا شیر کشمیر تھا۔ وہ ایک حقیر کیڑا تھا......... گھُن کا کیڑا۔ جنو! دیوتا! اور بادلو گرجو اور گرج گرج کر بولو گھُن کا کیڑا زندہ باد گھُن کا کیڑا زندہ باد۔

جن نے کہا۔ "بنی نوع انسان کی ہسٹری میں بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں، جو لیڈر اپنی غلام قوم کو آزادی دلاتے ہیں خالی خوشامد، اپنے حلوے مانڈے، محض دولت، شہوت رانی یا محض بے وقوفی سے وہی لیڈر اپنی قوم کو بڑے ملکوں یا بڑی طاقتوں کا غلام بنا دیتے ہیں۔ کیا یہ غلط ہے؟

الحاج مفتی شکیم دین۔ میں اپنی سرکار کے خلاف تمہاری بکواس
سُننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ ابھی گاندربلی کو ٹیلیفون کر کے
تم کو کسی ایسے انٹروگیشن سنٹر میں بھجوا دوں گا۔ جہاں سے تمہاری
چیخ پکار بھی کہیں باہر جانے نہ پائیگی۔ کسی سے اُن ہزاروں طالب علموں
اور نوجوانوں کا پوچھو جن کو آزادی کے بعد کشمیر پولیس نے رات کے
وقت غائب کر دیا ہے۔ اور پھر ان کا کہیں پتہ بھی نہیں چلا۔ وہ
انٹروگیشن سنٹر بادامی باغ، باغ مہتاب اور نلو تالاب بالو کے پیٹ
سے بھی زیادہ تنگ و تاریک اور بدبودار ہیں۔ میری بات کان کھول کر
سنو، میں نہیں جانتا ہوں کہ کونسا راستہ تنگ ہے۔ اور کونسا راستہ
کھلا۔ تم اسی راستے سے نکل جاؤ، جس راستے سے تم بالوجی کے اندر
داخل ہو گئے ہو۔ بس۔

جن نے ایک لمبی آہ بھر کر کہا۔ "جن حالات میں بالو کے اندر
داخل ہو گیا ہوں وہ ایسے غیر معمولی حالات تھے کہ بیمار اور بوڑھی،
عورتیں۔ بھوکے اور پیاسے بچے لاکھوں کی تعداد میں اپنے گھروں سے
ہزاروں میل دُور آزادی کے ڈر سے ایسے بھاگے کہ پیچھے
کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اِن کروڑوں انسانوں میں
کسی ایک کو بھی یاد نہیں کہ وہ کن کٹھن راستوں سے گزر کر آیا ہے
ان کو سارے ہندوستان اور پاکستان میں صرف ایک ہی روشنی کی کرن
ہانجی کی عینک سے کشمیر میں نظر آتی تھی۔ اس سے پہلے باپو نے ہر نگر میں
کشمیری ہندؤوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کشمیر کے

عوام آزاد اور غیر جانبدار رائے شماری سے کریں گے۔ کشمیری پنڈتوں کو اس رائے شماری میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ ان کو وہی فیصلہ تسلیم کرنا چاہیے جو کشمیری مسلمانوں کی کثرت رائے سے ہوگا۔ غیر مسلموں کی رائے سے کشمیری مسلمانوں کے فیصلہ پر مخالفانہ اثر پڑنے کا احتمال ہے۔ ایسا فیصلہ منصفانہ نہیں ہو سکتا ہے"۔

جن نے کہا۔ "بھلا مجھ کو کیا معلوم کہ میں بالوجی کے اندر کیسے اور کدھر سے داخل ہو گیا ہوں؟ باپو کے سیاسی فرزند، دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے وزیر اعظم پنڈت نہرو سے ہی پوچھئے کہ وہ دہلی سے سرینگر کیسے پہنچا؟ جبکہ ابھی پٹھان کوٹ کا راستہ بنا ہی نہیں تھا۔ تنکم صاحب! کیا آپ اتنی جلدی بھول گئے ہیں؟ شیر کشمیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر لاکھوں لوگوں میں کھڑے ہو کر لال چوک میں پنڈت جی نے فرمایا تھا کہ "جونہی کشمیر حملہ آوروں سے خالی ہو جائیگا تو بین الاقوامی نگرانی میں آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کرائی جائیگی۔ کشمیر کے لوگ خود فیصلہ کرینگے کیا وہ ہندوستان کے ساتھ رہینگے یا پاکستان کے ساتھ؟ یا دونوں ملکوں سے الگ آزاد رہینگے اگر کشمیر کے لوگ اپنی آزاد رائے سے پاکستان کے ساتھ شامل ہو جائینگے تو ہندوستان کی فوجیں واپس چلی جائینگی۔ یہ وعدہ نہ صرف کشمیر کے لوگوں کے ساتھ کرتا ہوں نہ صرف ہندوستان اور پاکستان کے لوگوں کے ساتھ کرتا ہوں بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ کشمیر کے الحاق کا فیصلہ یہاں کے لوگوں کی آزادانہ رائے سے ہوگا۔ کشمیر اسمبلی کا کوئی فیصلہ اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر کشمیر ہندوستان سے الگ

ہو جائیگا تو ہم کو ضرور اس کا دکھ ہو گا۔ مگر ہم کشمیر کو خالی کر دیں گے۔"

جج نے کہا۔ "کیبنٹ مشن کی ہدایات میں بھی یہی درج تھا کہ ریاست کے الحاق کا فیصلہ عوام کی رائے سے ہو گا۔ مہاراجہ کی دستاویز عارضی الحاق میں بھی یہی درج تھا اور لارڈ مونٹ بیٹن بھی یہی ہدایات دیتا رہا۔ پنڈت نہرو کے وعدے انکی فراخ دلی کا نتیجہ نہیں تھے۔ گاندھی ٹوپی کے پہننے والے مہاتما گاندھی کے سیاسی فرزند پنڈت نہرو نے پھر اپنے وعدے کو ہند پارلیمنٹ میں دہرایا۔ ریڈیو سے بار بار نشر کیا۔ سلامتی کونسل میں دہرایا۔ مگر یہی درست ہے کہ بڑے آدمیوں کے بیٹے اپنے باپ کی شکل پر نہیں ہوتے۔ باپو کے بعد گاندھی ٹوپی کے بغیر ان کی کونسی نشانی ہمارے مظلوم وطن کے اندر باقی رہی؟ حالانکہ بیچارے شہید باپو نے خود کبھی کوئی ٹوپی نہیں پہنی۔ رائے شماری کے لئے سلامتی کونسل کے اجلاس بار بار ہوتے رہے۔ تقریروں اور قراردادوں سے ہزاروں دفتر سیاہ ہو گئے۔ کیا پھر ایسا ہوا۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ پنڈت نہرو کبھی امریکن ایڈ، کبھی اور کوئی نہ کوئی بہانہ بناتا رہا۔

جج نے کہا۔ آپ کس اصول پر مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ بالوجی کے اندر سے نکل جاؤ جبکہ بین الاقوامی وعدوں کے باوجود پنڈت جی کی فوج نہ صرف ابھی کشمیر میں موجود ہے بلکہ ان کی تعداد ایک لاکھ سے بڑھ کر پانچ لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ امن کے دیوتاؤں میں بار بار جنگ ہوتی رہی ہے۔ لاکھوں انسان مارے گئے۔ میرے لئے اب باہر سر چھپانے کی کہاں کوئی جگہ خالی ہے۔ دوسری طرف یہ حال ہے کہ اگر بالوجی کے اندر

سے باہر کی طرف سر نکالنے کا ارادہ کروں گا یا میرا کوئی ہمدرد وہ نچلا راستہ یعنی راولپنڈی روڈ کھولنے کا نام لے گا۔ تو جناب شیر کشمیر فوراً ایسے تمام لوگوں کو علیحدگی پسند، فرقہ پرست، استحصالی، وطن دشمن، دو قومی نظریہ کا علمبردار ملّا اور جماعتی قرار دے کر دفعہ ۳ کے تحت نامعلوم مدت کے لئے قید کرا دیں گے۔ اس پر ستم ظریفی یہ کہ اُلٹا مجھ کو آئی بی ایجنٹ قرار دیں گے جو عفونت احمد آباد، رانچی، کلکتہ، دہلی، بمبئی، مُراد آباد ہندوستان کی گلی گلی اور کوچوں کوچوں کے فرقہ وارانہ فسادات کے شہیدوں کی بے گور و کفن لاشوں سے دُنیا میں پھیلی ہے۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ بالوجی کے اندر رہی میرا بھی مزار بن جائے۔ شیر کشمیر کہتا ہے کہ "اگر میری زندگی میں کشمیر کو عزت کا مقام حاصل نہ ہو سکا تو میری لاش کو سمندر میں ڈال دو"۔ آخر وہ سمندر بھی ہند ساگر ہی تو ہو گا۔ اِس سے بہتر یہ ہو گا کہ کشمیر کی گدی پر اپنے فرزند کو بٹھا کر بلا تکلّف بالوجی کے اندر داخل ہو جائیں، اور یہ شعر پڑھتے پڑھتے اندر تشریف لائیں ؎

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

میری بھی اسی میں خیر ہے کہ شیر کشمیر کے سیکولرزم، سوشلزم اور جمہوریت کی رٹ لگاؤں گا۔

شکم دین! آپ نے اپنے ابتدائی بیان میں ظاہر کیا ہے کہ ایک وقت آپ بھی شیر کشمیر کہلاتے تھے۔ شیر کشمیر کے ساتھ آپ کی کیا نسبت ہے؟

جن نے کہا ؎ واعظ شہر کہ خلقش ملک مے خوانند
قول ما نیز ہمیں است کہ او آدم نیست

دادی جان کہتی تھیں کہ ہمارے اجداد بھی سرینگر سے آکر پونچھ میں اور کئی کشمیری قوموں کے ساتھ آباد ہو گئے تھے۔ مگر اب تو شیرِ کشمیر بہت بڑے آدمی ہیں۔ دو قومی نظریہ کی مخالفت اور اکھنڈ بھارت کی حمایت سے وسیع باغات، عالی شان کوٹھیوں، ڈسوٹا موٹر کاروں، اور خزانوں کے مالک ہیں ؎ بوریا جائے من و جائے توانگر قالین

شیر قالیں دگر و شیر نیستاں دگر ست

اسیر:۔ دادی کی طرح شیرِ کشمیر اپنے فرزند ڈاکٹر فاروق کو سیاست میں لاکر ان کو خلیفۂ اول اور کشمیر کی گدی کو موروثی بنانا چاہتے ہیں۔ مجھ غریب، اسیرِ بے تقصیر کی ان سے کیا نسبت؟ البتہ قد و قامت ڈیل ڈول، طرزِ فکر اور شکل و شمائل میں کچھ مماثلت ضرور پائی جاتی ہے ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق

او بصحرا رفت ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

جج نے کہا: "۱۹۴۷ء میں شیرِ کشمیر نے پنڈت جواہر لال نہرو وزیرِ اعظم ہندوستان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر لال چوک میں فرمایا تھا

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ستائیس سال کے طویل عرصہ میں رائے شماری کے لئے پاکستان اور ہندوستان میں بار بار جنگ ہوئی اور مجلس اقوام نے قرار دادیں پاس کیں۔ دونوں طرف سے لاکھوں سپاہی اور شہری مارے گئے۔ لاتعداد جوان لڑکیاں بیوہ ہو گئیں۔ بڑھی مائیں جوان بیٹیوں کے سہارے سے

محروم ہوگئیں۔ لاکھوں بچے یتیم ہو گئے۔ ہزاروں جوان اور طالب علم جیلوں کی سلاخوں، حوالاتوں اور انٹروگیشن سنٹروں میں دم توڑ گئے۔ لاکھوں کشمیریوں نے اپنا بیشتر سرمایۂ حیات قید و بند میں برباد کر دیا۔ کروڑوں روپیہ گاندھی اور اس کے جانشین پولیس والوں نے لوٹ لیا۔ کشمیر کے گرد بورڈر لائن پر کتنی عصمتیں دن رات برباد ہوتی رہتی ہیں وہ دردناک کہانی کب روشنی میں آئے گی وہ خدا ہی جانتا ہے۔ بھوک، افلاس اور کمر توڑ گیرانی کے باوجود رائے شماری کی آواز کو دبانے کے لئے اب ایٹمی دھماکے بھی ہونے لگے ہیں۔ اس ایک دھماکے پر فاقہ کش عوام کی گاڑھے پسینے کی کمائی کا اربوں سرمایہ پھونک دیا گیا۔ یہ نہرو خاندان کی لاڈلی کاشمیری کا کارنامہ ہے۔ ان ہی کی شان میں اکبر الہ آبادی نے فرمایا ہے ؂

اس کی بیٹی نے اُٹھا رکھی ہے دنیا سر پر
شکر یہ ہے کہ انگور کے بیٹا نہ ہوا

باپ کے ساتھ ہاتھ ملا کر ستائیس سال جو امن و آسائش، ترقی اور بہبودی کشمیر کو حاصل ہوئی وہ تو ہر کسی کے سامنے ہے۔ اب بیٹی کے ساتھ سُر ملا کر شیر کشمیر جلد ہی لال چوک میں حضرت حافظ کا یہ شعر پڑھ کر آزادی کا اعلان فرمائیں گے ؂

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

بس یہی کشمیریوں کے لئے غیرت کا مقام ہوگا۔

دستخط:۔ حاجی چراغ بیگ